بسم اللہ الرحمن الرحیم

اشارات

چند روز ہوئے ایک اخبار میں بڑی دردانگیز تصویر نظر سے گزری۔ ویٹ نام کی ایک غریب، مفلوک الحال اور بدنصیب عورت اپنے لخت جگر کی لاش کو، جو امریکی بمباری کا شکار ہو چکا تھا، گود میں لیے اس طرح آہ و زاری کرتی دکھائی دے رہی تھی کہ انسان کا دل دہل جاتا تھا۔ یہ ایک تصویر نہیں بلکہ اس قسم کے سینکڑوں الم ناک مناظر دیکھنے میں آتے ہیں۔ بپھری ہوئی جارحیت معصوم انسانوں کے ساتھ بڑا ظالمانہ اور انسانیت سوز سلوک کر رہی ہے۔ یوں محسوس ہوتا ہے کہ انسانیت کے خلاف خصوصاً کمزور اور دکھی انسانوں کے خلاف، بے بس اور مجبور انسانوں کے خلاف طاقتور قومیں ایک شرمناک سازش کر رہی ہیں۔

اس تصویر میں معصوم بچے کی لاش انسانیت سے یہ خاموش سوال کر رہی ہے کہ آخر اسے کس جرم کی پاداش میں ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے۔ اس کے اندر تو ابھی یہ شعور ہی پیدا نہیں ہوا کہ وہ رنگ و نسل، زبان اور وطن کے اعتبار سے انسانوں کے درمیان تفریق کر سکے۔ وہ ابھی دشمنی اور نفرت کے احساسات سے یکسر ناآشنا ہے۔ پھر وہ ابھی اتنا کمزور اور ناتواں ہے کہ کسی کا بال تک بیکا نہیں کر سکتا۔ انسانیت کے ایک ایسے کمزور اور ناتواں فرزند کے خلاف یہ سنگدلی ان لوگوں کو کس طرح زیب دیتی ہے جو تہذیب و شائستگی کے دعویدار ہیں۔ اس قسم کے وحشتناک

مظالم سے تو درندے بھی اپنا دامن آلودہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

پھر یہ ایک عجیب بات ہے کہ ایک طرف تو یہ ستم رانیاں اور بربادیاں ہیں مگر دوسری طرف انسانی جان و مال اور عزت و احترام کے تحفظ اور انسانی حقوق کی پاسبانی کے بڑے بلند بانگ دعوے ہیں۔ اگر وحشیانہ بمباری کرنے والے چند سفید فام ہوا باز گرفتار ہو جائیں تو فوراً انسانیت کے نام پر اپیلیں ہونے لگتی ہیں اور احترام آدمیت کے احساسات ابھرنے لگتے ہیں۔ اگر کشمیر کے مسلمان تباہ و برباد ہوں، اگر ہندوستان کے مسلمانوں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جائے، اگر فلسطین کے عربوں کو اپنے وطن سے نکال کر دربدر کی ٹھوکریں کھانے کے لیے آزاد چھوڑ دیا جائے۔ اگر الجزائر میں انسانی خون سے ہولی کھیلی جائے۔ اگر افریقہ کی مختلف آبادیوں کو تہس نہس کرنے کے لیے مختلف منصوبے بنائے جائیں اور اگر امریکہ کے سیاہ فاموں پر عرصۂ حیات تنگ کیا جائے —— اور انہیں مختلف حیلوں بہانوں سے ستایا جائے، تو ان سفید فام قوموں کے جذبۂ رحم میں کوئی معمولی تحریک بھی پیدا نہیں ہوتی۔ لیکن جب کسی طاقتور ملک کے چند ہوا باز جو ہزاروں نہیں بلکہ لاکھوں بے گناہوں کی بربادی کے ذمہ دار ہوں، گرفتار ہو جائیں تو سفید فام لوگوں کی انسانیت بیدار ہو جاتی ہے۔ اگر کسی فرد یا قوم کی مظلومیت ہی دل کے تاروں کے اندر ارتعاش پیدا کر سکتی ہے تو پھر یہ ارتعاش گورے اور کالے، ایشیائی، افریقی، امریکی کی تفریق کے بغیر ہر ستم زدہ اور مظلوم کے دکھ درد کو دیکھ کر پیدا ہونا چاہیے۔ ایک انسان اگر اپنے پہلو میں پتھر کے بجائے دل رکھتا ہے اور اس نے تنگ نظری اور تعصب کی زہر آلود اور گھٹی ہوئی فضا میں مسلسل رہ کر اپنے دل کو مردہ نہیں بنا لیا تو وہ لازمی طور پر انسانیت کے ہر فرد کے ساتھ محبت کرے گا اور اس کے مصائب اُسے بے چین کر دیں گے۔

دورِ جدید میں انسانی جذبہ و احساس کا ایک اور المناک پہلو یہ ہے کہ مادی مصالح اور مفادات کی پرستش نے دنیا کی تمام قوموں سے حق گوئی اور عدل و انصاف کا جوہر چھین لیا ہے۔ ان اقوام کے احساسات اگر کسی کے دکھ پر بیدار بھی ہونگے تو صرف اسی وقت جب ان کے مفادات پر کوئی آنچ نہ آتی ہو۔ اس اندھی مفاد پرستی نے ان قوموں کو بالکل بے اصول بنا دیا ہے آج ہی اگر ایک دلفگار واقعہ پر کچھ افراد یا قومیں برہم ہونگی اور اُسے انسانیت کی تذلیل قرار دے رہی ہونگی تو دوسرے ہی لمحے وہ خود بڑے اطمینانِ قلب کے ساتھ ایسے گھناؤنے جرائم کا ارتکاب کریں گی جن کے سامنے یہ واقعہ کوئی حیثیت نہ رکھتا ہو گا۔ اب انہیں اخلاقی اور انسانی ذمہ داریوں کے سارے وعظ یکسر بھول جائیں گے۔ امریکہ اور رُوس کو دیکھیے کہ ایک طرف تو یہ دونوں ممالک انسانی آزادی اور اقوام کے حق خود اختیاری اور دنیا میں عدل و انصاف کی حکمرانی کے علمبردار بنتے ہیں لیکن جب عالم واقعات میں ان ممالک کی کارروائیاں سامنے آتی ہیں تو انسان حیران ہوتا ہے کہ کیا یہ سب کچھ بقائمی ہوش و حواس کیا جا رہا ہے۔ یا ان کے نزدیک پُوری دنیا دیوانوں کی بستی ہے جہاں جو کچھ کیا جائے اُس پر کوئی سوچ بچار یا غور و فکر کی زحمت گوارا نہیں کرتا۔ ہم کتنے عرصہ سے انگریزوں، فرانسیسیوں، جرمنوں، امریکیوں، روسیوں اور ہندوستانیوں کی زبان سے احترامِ انسانیت کا مقدس پرچار سُن رہے ہیں۔ پبلک جلسوں، ریڈیو، ٹیلیویژن اور اخبارات کے ذریعہ سے بار بار یہ کہا جا رہا ہے کہ آزادی اور انصاف انسان کے پیدائشی حقوق ہیں کسی فرد یا قوم کو انہیں پامال نہ کرنے دیا جائے گا لیکن یہ قومیں جن کے یہ مواعظ سُن سُن کر ہمارے کان پک گئے ہیں میدانِ عمل میں بڑی ظالم اور سفاک ثابت ہوئی ہیں اور ان میں سے ہر ایک نے معاشی استحصال، انسانی حقوق کی پامالی، جبر و استبداد اور زبردست آزاری میں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے اور ان اقوام میں سے کسی ایک نے بھی اپنے دیئے ہوئے اخلاقی درس میں سے کسی ایک حصہ کو بھی دل و دماغ میں محفوظ نہ رکھا۔ کشمیر کے عوام جب حق خود ارادیت کا مطالبہ کرتے ہیں تو ہندو امپیریلزم اُن کے سینے گولیوں سے چھلنی کر دیتا ہے اور یہ وعظ و نصیحت

کرنے والی قومیں اس سارے خونی ڈرامے کو بڑی خاموشی کے ساتھ دیکھتی ہیں اور ظالم کے خلاف ایک لفظ تک نہیں کہتیں کیونکہ ہندوستان سے اُن کے کچھ مصالح اور مفادات وابستہ ہیں۔ اب ویٹ نام میں جب بے گناہوں کو ظلم و ستم کا تختۂ مشق بنایا جا رہا ہے تو روس ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس میں امریکہ کی کامیابی درحقیقت چین کی حوصلہ شکنی اور بربادی ہے جس سے ان دونوں ممالک کو ایشیا میں اپنے استعماری عزائم کی تکمیل کے مواقع میسّر آجائیں گے اور لوٹ کھسوٹ کی راہ میں کوئی قوت مزاحم نہ ہو سکے گی۔ روس ہو یا امریکہ، برطانیہ ہو یا فرانس، ہندوستان ہو یا جاپان، دنیا کا کوئی ملک بھی ایسا نہیں جو قومی مفادات سے بلند ہو کر خالص انسانی نقطۂ نظر سے اپنی کوئی پالیسی متعیّن کر سکے۔

ان پُر آشوب حالات میں انسان کے دل میں قدرتی طور پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا آج دنیا میں کوئی قوم ایسی ہے جو مادی سُود و زیاں کے چکر سے نکل کر خالص انسانی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے سوچ رہی ہو کیا کوئی قوم ایسی ہے جس کے نزدیک دوستی اور دشمنی کا معیار ذاتی مفادات نہیں بلکہ محض حق ہو، کیا کوئی قوم آج اس مقدس عزم کے ساتھ زندہ ہے کہ وہ اللہ کے بندوں کو بندوں کی بندگی سے نجات دلا کر خدائے واحد کی غلامی اختیار کرنے کا درس دے، دنیا کو تنگی سے نجات دلا کر حیاتِ اخروی کی وسعت و کشائش کی راہ دکھائے، ظلم و استبداد سے بچا کر عدل و انصاف کی فضا میں لائے، انسان اور انسان کے درمیان وطن نسل اور رنگ کی بنیاد پر جو تفریق قائم ہو چکی ہے اُسے مٹا کر انسانیت کے مختلف طبقوں کے مابین اخوت اور محبت کے مضبوط رشتے قائم کرے۔ سفاکی اور زبردست آزاری جو دورِ جدید میں طاقتور قوموں کے پسندیدہ مشاغل ہیں انہیں ختم کر کے اُن کی جگہ حق اور انصاف کی بالادستی منوائے۔ صحیح بات یہ ہے کہ آج دکھوں سے ستائی ہوئی انسانیت اور زخموں سے چور آدمیت کسی ایسی قوم کی راہ تک رہی ہے جو اُسے رُوحانی اطمینان، قلبی سکون اور معاشرتی، سیاسی اور معاشی

تحفظ عطا کر سکے لیکن اُسے ہر طرف تاریکی ہی تاریکی نظر آتی ہے اور کہیں بھی ان مقدس عزائم کی علمبردار قوم کا نام و نشان نہیں ملتا۔ کبھی ایک ملک سے آواز آتی ہے کہ جمہوری نظام کو اپنا کر دیکھو۔ یہی تمہارے سارے دکھوں کا مداوا ہے۔ دنیا کی ستم زدہ قومیں روشنی کی تلاش میں جمہوری ممالک کی طرف رجوع کرتی ہیں لیکن وہ جب ظاہری چمک دمک کے پیچھے چھپی ہوئی تاریکیاں دیکھتی ہیں تو انہیں سخت مایوسی ہوتی ہے۔ انہیں اس امر کا احساس ہوتا ہے کہ جس نعمت کو یہ لوگ آزادی کے نام سے تعبیر کرتے ہیں اس سے ایک مخصوص طبقہ ہی فیض یاب ہو سکتا ہے۔ ملک کی عظیم اکثریت اس سے بہرہ مند نہیں ہوتی۔ ملکی قانون اسی طبقے کے حقوق و مفادات کی حفاظت اور پاسبانی کے لیے بنا ہے اور کمزور اور بے بس طبقوں کے لیے دستوری دفعات بندھنوں کی حیثیت رکھتی ہیں۔

جمہوری ممالک کے یہ حوصلہ شکن حالات دیکھ کر دنیا کی پسی ہوئی اور رستائی قومیں پھر اپنی فلاح و کامرانی کے لیے اشتراکی ممالک کی طرف دیکھتی ہیں لیکن وہاں جا کر اُن پر یہ اندوہناک راز کھلتا ہے کہ غریبوں کی اس نمائشی جنت میں وہ سب ظلم و استبداد ہو رہا ہے جس کے لیے سرمایہ داری کو ہدفِ تنقید بنایا جاتا ہے۔ یہاں بھی اقتدار کی ایک نہ مٹنے والی ہوس فکر و عمل کا محرک ہے۔ یہاں بھی قوت کے نشے میں کمزوروں پر ہر طرح کے مظالم کیے جاتے ہیں، یہاں بھی استعماری عزائم کے ساتھ بے بس قوموں کی آزادی سلب کرنے کے مختلف منصوبے بنتے ہیں۔ انسانی آزادی، بنیادی حقوق اور قوموں کے حقوق خود اختیاری کی حیثیت کھوکھلے نعروں سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ اشتراکی ممالک کے برسرِ اقتدار طبقے اپنی خارجی اور داخلی پالیسی میں اُسی بے اصولی، اُسی سنگدلی اور اُسی مفاد پرستی کا ثبوت دیتے ہیں جو ہمیں سرمایہ دارانہ ممالک کے طرزِ عمل میں نظر آتی ہے۔ اخلاقی اعتبار سے دونوں نظامہائے حیات کے علمبردار ممالک کا دیوالہ نکل چکا ہے اور اُن کے اندر اخلاق کی کوئی رمق باقی نہیں رہی جس سے دوسری قومیں مصیبت زدہ بے بسی کے عالم میں اُن پر بھروسہ کر سکیں۔ انسانیت آج گھٹاٹوپ اندھیرے میں بڑے پریشانی

کرب و اضطراب کے ساتھ زندگی بسر کر رہی ہے۔ اُسے دُور دُور تک کہیں بھی روشنی کے کوئی نشانات نظر نہیں آتے۔ وہ آج زبانِ حال سے اُس قوم کی تلاش میں سرگرداں ہے جو اس دنیا کی تاریک فضا کو روشنی میں بدل دے، جو مضطرب انسانیت کو سکون کی نعمت سے مالا مال کرے، جو بھولی بھٹکی آدمیت کو ہدایت کی راہ دکھائے۔

اس قوم کا وجود فطرت کا ایک بنیادی تقاضا ہے جس طرح انسان ہوا، پانی اور دوسرے وسائلِ رزق کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا بالکل اسی طرح وہ اخلاقی اور روحانی خلا میں بھی دیر تک زندگی نہیں گزار سکتا۔ انسانیت کی فلاح کے لیے یہ ضروری ہے کہ دنیا کی کوئی قوم ایسی ضرور ہو جس کے پیشِ نظر بجز بھلائی اور نیکی پھیلانے اور برائی اور منکر کو مٹانے کے کوئی دوسرا مقصد نہ ہو۔ اسی حقیقت کو قرآن نے یوں بیان فرمایا ہے:

وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ اُمَّةٌ يَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَيْرِ وَيَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ ط اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ - (آل عمران - ۱۰۴)

تم میں کچھ لوگ ایسے ضرور رہنے چاہییں جو نیکی کی طرف بلائیں، بھلائی کا حکم دیں اور برائیوں سے روکتے رہیں۔ جو لوگ یہ کام کریں گے وہی فلاح پائیں گے۔

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ - (آل عمران ۱۱۰)

دنیا میں وہ بہترین گروہ تم ہو جسے انسانوں کی ہدایت و اصلاح کے لیے میدان میں لایا گیا ہے۔ تم نیکی کا حکم دیتے ہو، بدی سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو۔

ان آیات میں یہ بتایا گیا ہے کہ دنیا میں بھلائی کے فروغ اور بُرائی کے استیصال کا اہم فریضہ تمہارے یعنی امتِ مُسلمہ کے کندھوں پر ڈالا گیا ہے۔ اب اس امت کا ہر فرد توحید کا امانت دار ہے، زمین میں باری تعالیٰ کا نائب، اور خلیفہ ہے۔ قانونِ الٰہی کے نفاذ و تحفظ کی ذمہ داری اُس پر عائد ہوتی ہے،

دنیا کے نظامِ عدل کو برقرار رکھنا اُس کے بنیادی فرائض میں داخل ہے اس امت کی زندگی اور اس کے ہر فرد کا مشن یہی ہے کہ دنیا میں حق و انصاف کی عملداری قائم کرے اور باطل کی ہر صورت کو مٹانے کے لیے بھرپور کوشش کرے۔

بعض دوسرے مقامات پر اس امت کے فرائض کی تصریح کرتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا	اور اسی طرح تو ہم نے تمہیں ایک "امتِ وسط"
لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ	بنایا ہے تاکہ تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور
الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۔ (البقرہ-۱۴۲)	رسول تم پر گواہ ہو۔

تمہیں ایک ایسی امت بنا کر دنیا میں بھیجا گیا ہے کہ جو ہر اعتبار اور ہر معیار سے غایتِ اعتدال پر ہو۔ ہر کجی، اور ہر افراط و تفریط سے یکسر پاک۔ حدیثِ نبوی میں وسط کی تفسیر عدل سے آئی ہے اور ائمہ لغت سے بھی یہی منقول ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس دنیا میں صرف عدل و انصاف کے چاہنے والے ہی نہیں بلکہ اس کے علمبردار بھی ہو۔ دنیا کی مظلوم قوموں کی داد رسی تمہیں کرنا ہے اور پھر جو یہ فرمایا گیا ہے کہ "تم دنیا کے لوگوں پر گواہ ہو اور رسول تم پر گواہ ہے" کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح رسول کو تمہارے افکار و اعمال کے لیے مثال اور نمونہ بنایا گیا ہے اسی طرح تم دنیا کی ہر امت کے لیے نمونہ اور معیار ہو اور تم پر اجتماعی حیثیت سے وہی نازک ذمہ داری عائد ہوتی ہے جو نبی اور رسول پر باری تعالیٰ کی طرف سے عائد کی جاتی ہے۔

جس طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا رسی، راست روی، عدالت اور حق پرستی کی زندہ شہادت بنے اسی طرح امتِ مسلمہ کو بھی تمام دنیا کے لیے زندہ شہادت بننا چاہیے اور ادائے شہادت کے اس اہم فرض کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی میں پورے انہماک، پورے جذبۂ ایثار، للّٰہیت، بے نفسی اور تدبر کے ساتھ سرانجام دینا چاہیے۔ پھر تمہیں اس امر کا بھی احساس ہونا چاہیے کہ شہادتِ حق کا یہ فریضہ انبیاء علیہم السلام کی بعثت کا بنیادی مقصد تھا۔ اس ایک غرض کے علاوہ اُن کی

کوئی دوسری غرض نہ تھی۔ وہ اسی مقصد کے حصول کے لیے دنیا میں بھیجے گئے، اسی کے لیے ساری عمر ہمت آزما رہے، گھروں سے نکالے گئے، دشمنوں سے ستائے گئے۔ ائمۃ الکفر کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے پھر اسی مشن کی خدمت کرتے ہوئے اپنے مالکِ حقیقی سے جا ملے۔ ان مقدس ہستیوں کو دیکھ کر امتِ وسط کے ہر فرد کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ ادائے شہادت کا یہ فریضہ کوئی ثانوی کام نہیں بلکہ اس امت کے وجود کا بنیادی مقصد ہے۔ اُسے دنیا کی قوموں پر اسی لیے گواہ ٹھیرایا ہے کہ انہیں اسے دیکھ کر یہ معلوم ہو سکے کہ خدا ترسی کس چیز کا نام ہے، عدل و انصاف کے کیا عملی مضمرات ہیں۔ حق پرستی کے کیا کیا تقاضے ہیں۔ اگر یہ امت خدا کی عدالت میں یہ شہادت نہ دے سکے کہ اس نے وہ ہدایت جو اُس کے رسول کے ذریعہ اُس تک پہنچی تھی اُس کے بندوں تک پہنچانے میں کوتاہی نہیں کی، تو وہ ناکام و نامراد ہو گی۔ اس کی دنیوی فلاح اور اُخروی کامرانی کا راز شہادتِ حق کے صحیح طور پر ادا کرنے میں مضمر ہے۔ اسی حقیقت کو سورۂ حج میں یُوں بیان فرمایا گیا ہے:

هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ قَبْلُ
وَفِيْ هٰذَا لِيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ شَهِيْدًا
عَلَيْكُمْ وَتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى
النَّاسِ۔ (۷۸)

اللہ نے پہلے بھی تمہارا نام مسلم ہی رکھا تھا اور
اس (قرآن) میں بھی (تمہارا یہی نام ہے) تاکہ
رسول تم پر گواہ ہو اور تم لوگوں پر گواہ

اُمتِ وسط اور شہید علی الناس کے علاوہ قرآن مجید نے اہلِ ایمان کو "قوامین بالقسط" بننے کا بھی حکم دیا ہے چنانچہ سورۃ النساء میں باری تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ
بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ وَلَوْ عَلٰٓى اَنْفُسِكُمْ اَوِ
الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ اِنْ يَّكُنْ غَنِيًّا
اَوْ فَقِيْرًا فَاللّٰهُ اَوْلٰى بِهِمَا فَلَا

اے ایمان والو! انصاف کے علمبردار اور
اللہ کے لیے گواہی دینے والے بنو خواہ اس کی زد
خود تمہاری اپنی ذات پر یا تمہارے والدین اور
رشتہ داروں پر ہی کیوں نہ پڑتی ہو۔ فریقِ معاملہ

تَتَّبِعُوا الْهَوٰٓى اَنْ تَعْدِلُوْا وَاِنْ تَلْوٗٓا اَوْ تُعْرِضُوْا فَاِنَّ اللّٰهَ كَانَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرًا۔ (۱۳۵)

خواہ مالدار ہو یا غریب ۔ بہرحال اللہ دونوں سے زیادہ اس کا مستحق ہے کہ تم اس کا لحاظ کرو۔ لہٰذا اپنی خواہشِ نفس کی پیروی میں عدل سے باز نہ رہو۔ اور اگر تم نے لگی لپٹی بات کہی یا سچائی سے پہلوتہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو اللہ کو اس کی خبر ہے ۔

قسط کے معنی بھی انصاف کے ہیں یعنی اے اہلِ ایمان تم اس دنیا میں صرف حق پرست، منصف مزاج اور عدل و انصاف کے طلبگار ہی نہیں بلکہ حق و انصاف کے محافظ اور علمبردار بھی ہو۔ اور تمہاری گواہی اپنی کسی ذاتی خواہش، ذوق یا ضرورت کی وجہ سے نہیں بلکہ باری تعالیٰ کی خالص رضاجوئی کے لیے ہے۔ جو مقدس کام تم مالک الملک کی خوشنودی اور اس کے حکم کی تعمیل کے لیے کر رہے ہو، اس میں سو فیصد بے لوثی اور خلوص ہونا چاہیے۔ اس فرض کو ادا کرتے ہوئے تمہیں ذاتی فوائد اور مصالح، قرابت داری اور دوستی کا لحاظ نہ رکھنا چاہیے کیونکہ باری تعالیٰ کی خوشنودی، عزیزوں اور رشتہ داروں، دوستوں اور ہم نشینوں کی خوشنودی سے کہیں زیادہ اہمیت رکھتی ہے۔ ایک آدمی جب ایمان باللہ کا دعویٰ کرتا ہے تو وہ درحقیقت اس بات کا اعتراف کرتا ہے کہ اب اس کے نزدیک اصل مقصد مالک و خالق کی رضاجوئی ہے۔ باقی رہی مخلوق کی خوشنودی تو وہ مالک کی رضا کے تابع ہے۔ کسی فرد، قبیلہ یا خاندان کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے باری تعالیٰ کو ناراض نہیں کیا جا سکتا۔

آپ اگر اپنے گرد و پیش کا جائزہ لیں تو آپ کو معلوم ہوگا کہ قومی، خاندانی اور انفرادی سطح پر جو چیز ہمیں حق و انصاف سے بار بار ہٹاتی ہے، وہ قومی اور ملکی مصالح، ذاتی نقصانات، خاندانی رنجشیں اور دوستوں کی ناراضگی کا خوف ہوتا ہے۔ محولہ بالا آیات میں اس امر کی تاکید کی گئی ہے کہ اللہ کی بندگی اختیار کرنے کے بعد تو انسان کو مفادات کے سارے

بُت توڑ دینے چاہییں اور اپنی ذاتی خواہشات اور تمناؤں کے سارے صنم کدے خود اپنے ہاتھ سے مسمار کر دینے چاہییں۔ وہ دل ایمان کے نور سے منور نہیں ہو سکتا جس میں اللہ اور رسولؐ کی محبت باقی سارے رشتوں پر غالب نہیں آتی۔ ایک انسان جب تک لا کی ضرب سے قوم اور وطن، خاندان، اور نسل کے مختلف بتوں کو پاش پاش نہیں کر دیتا اس وقت تک وہ صحیح معنوں میں اللہ کی غلامی اختیار نہیں کر سکتا۔ بندگی صرف ایک ہی رب کی ہو سکتی ہے خواہ وہ اللہ رب العٰلمین ہو یا وطن، قوم، برادری کے دوسرے آلہہ جو انسان نے خود بنا رکھے ہیں اگر اہل ایمان بھی ان جھوٹے خداؤں کو پوجتے رہیں تو دنیا میں حق و انصاف کا کس طرح بول بالا ہو گا۔ اس کے تسلط اور فرمانروائی کے لیے یہ ضروری ہے کہ کم از کم وہ لوگ تو ان کی پرستش سے باز رہیں جو باری تعالیٰ کی بندگی کے دعویدار ہیں۔ آج دنیا کی طاقتور قومیں حقائق کو جانتے ہوئے ہر لمحہ حق و انصاف کا خون کرتی رہتی ہیں اس کی وجہ یہی ہے کہ وہ باری تعالیٰ کی گواہی دینے والی نہیں بلکہ اپنے مفادات کی غلام ہیں انہیں دنیاوی مصالح سچائی اور انصاف سے کہیں زیادہ عزیز ہیں۔ قومی اور وطنی سطح سے نیچے آ کر جب ہم خاندانی سطح پر حالات کا جائزہ لیتے ہیں تو ہمیں وہاں بھی یہی خوفناک مرض لاحق نظر آتا ہے۔ ہم حق و انصاف کی بات کرنے سے محض اس لیے پرہیز کرتے ہیں کہ اس سے ہمارے خاندان اور ہماری برادری کے چند افراد کو نقصان پہنچنے کا احتمال ہوتا ہے۔ پھر اس سے نیچے آ کر ہم اپنے ذاتی مفادات کی خاطر بڑی بے تکلفی سے سچائی کا دامن ہاتھ سے چھوڑ دیتے ہیں۔ چنانچہ صداقت کی اس راہ میں انسان کو جو جو موانع پیش آتے ہیں اُن کا تجزیہ کرتے ہوئے قرآن مجید اس امر کی تلقین کرتا ہے کہ تم سب سے پہلے اپنے ذہن میں یہ احساس پیدا کرو کہ تم اللہ کے گواہ ہو اور اس طرح مجاہدۂ نفس کے ذریعہ ضرورت پڑنے پر خود اپنے خلاف گواہی دینے کی ہمت اور حوصلہ پیدا کرو۔ انسان کے لیے سب سے مشکل اور صبر آزما کام خود اپنے احساسات و جذبات اور خود اپنے میلانات و رجحانات کے خلاف کسی چیز کا اعتراف کرنا ہوتا ہے۔ عقل یوں بھی بڑی حیلہ جُو ہے۔ کسی دل پسند چیز کے حق

میں مختلف تاویلات کرنے میں بڑی چابکدستی کا ثبوت دیتی ہے۔ پھر خاص طور پر جب حق کے فیصلے کی زد براہِ راست انسان کے ذاتی احساسات اور مفادات پر پڑ رہی ہو تو "عقلِ عیار" کے جوہر خوب کھلتے ہیں اور وہ مختلف حیلوں اور بہانوں سے اُسے جادۂ مستقیم سے ہٹا کر غلط راہ پر ڈال دیتی ہے، اپنی ذات کے علاوہ انسان کو اپنے والدین اور دوسرے اقارب کے مفادات عزیز ہوتے ہیں اور اُن کے جذبات کی پاسداری میں وہ حق کا خون کرنے پر کمربستہ ہو جاتا ہے۔

اس مقام پر قرآن مجید نے انسان کی جس فطری کمزوری کی نشاندہی کی ہے اس کا تعلق اُس کی اپنی ذات اور خاندان سے ہے۔ ایک دوسرے مقام پر باری تعالیٰ نے نہایت واضح طور پر یہ ارشاد فرمایا ہے کہ حق و انصاف کی جس روش کو تمہیں اپنی انفرادی اور خاندانی زندگی میں اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہی روش تمہیں اپنی قومی اور اجتماعی زندگی میں بھی اختیار کرنی چاہیے اور بین الاقوامی معاملات میں تمہیں اُسی حق پرستی کا ثبوت دینا چاہیے جو ایمان کا بنیادی تقاضا ہے۔ جس طرح نفس پرستی، خاندان پرستی اور خدا پرستی ایک جگہ جمع نہیں ہو سکتیں بالکل اسی طرح قوم پرستی اور حق پرستی کو بھی یکجا نہیں کیا جا سکتا۔ ظلم و ناانصافی ہر صورت میں مذموم فعل ہے خواہ اس کا ارتکاب انفرادی زندگی میں کیا جائے یا قومی اور اجتماعی زندگی میں کیا جائے۔ چنانچہ قرآن مجید نے بڑی صراحت کے ساتھ ارشاد فرمایا ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ لِلَّهِ شُهَدَاءَ بِالْقِسْطِ وَلَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِنَّ اللَّهَ خَبِيرٌ بِمَا تَعْمَلُونَ (المائدہ - ۸)

اے لوگو! جو ایمان لائے ہو! اللہ کی خاطر حق و صداقت پر قائم رہنے والے اور انصاف کی گواہی دینے والے بنو۔ کسی گروہ کی دشمنی تمہیں اتنا مشتعل نہ کر دے کہ انصاف سے ہٹ جاؤ۔ عدل کرو، یہ خدا ترسی سے زیادہ قریب ہے۔ اللہ سے ڈرو۔ اللہ تمہاری کارگزاری

سے پوری طرح باخبر ہے۔

مفسّرین نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ معاملات میں بے انصافی کے سبب عموماً دو ہی ہوتے ہیں یا تو کسی فریق کی رعایت اور مروّت اور اپنے ناجائز مفادات کی حفاظت اور پاسبانی یا کسی فریق کی عداوت و مخالفت۔ سورۃ النساء میں اقامتِ عدل کا حکم سبب اوّل کی مناسبت سے ہے یعنی اپنے جذبات کی رعایت، اپنے والدین اور اقربا کی رعایت اور مروّت، یا کسی طاقتور کا خوف و مرعوبیت یا کسی کمزور اور ناتواں سے بے جا ہمدردی کی وجہ سے انسان جادۂ مستقیم سے ہٹ کر ایک غلط روش اختیار کر لیتا ہے یہاں اس دوسری آیت میں بے انصافی کا سبب کسی فریق کی دشمنی اور مخالفت ہے۔ یہ آزمائش بھی بڑی سخت اور شدید ہے۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ انسان اپنی ذات اور برادری کے لیے اکثر اوقات حق کا دامن چھوڑ دیتا ہے لیکن اس سے کہیں زیادہ سخت مرحلے وہ آتے ہیں جب وہ بزعمِ باطل اپنی قوم اور وطن کے ناموس، اور اس کی سربلندی اور اقبالمندی کی خاطر اور مخالف اقوام کو ذلیل و خوار کرنے اور نیچا دکھانے کی غرض سے حق اور انصاف کا خون کرنے پر تیار ہو جاتا ہے اور چونکہ وہ یہ سب کچھ اپنی ذات اور برادری کے لیے نہیں بلکہ اپنی قوم اور وطن کے لیے کرتا ہے اور اس سے اُس کی غرض کچھ ذاتی مفادات کا حصول نہیں ہوتا بلکہ قوم کے دشمنوں کو زک پہنچانا ہوتا ہے اس لیے وہ اس ناپاک کام کو ایک پاکیزہ اور مقدس فعل سمجھ کر سرانجام دیتا ہے بلکہ اسے ایک بہت بڑی قومی خدمت سمجھتے ہوئے بڑے فخر کے ساتھ پایۂ تکمیل تک پہنچاتا ہے۔

پھر یہ مرحلہ ایک اور اعتبار سے بھی بڑا نازک ہے۔ انفرادی زندگی کے فیصلوں میں خارجی دباؤ نسبتاً کم اثر انداز ہوتا ہے۔ انسان کا ضمیر بڑی آزادی کے ساتھ اُس کے کسی اقدام کے بارے میں اُسے باخبر کر دیتا ہے اور اُسے جلد ہی اپنے کسی قول اور فعل کی اخلاقی قدر و قیمت کا احساس ہو جاتا ہے لیکن اس کے برعکس جتنا کوئی فیصلہ یا اقدام اجتماعی نوعیت

کا ہو اور اس کا تعلق کسی فرد کے ضمیر کے بجائے قوم کے شعور سے ہو اتنا ہی اس پر عوامی نفسیات (MOB PSYCHOLOGY) زیادہ اثر انداز ہوتی ہے۔

اجتماعی زندگی کا تند و تیز دھارا انفرادی احساس کو مفلوج کر کے رکھ دیتا ہے اور اس دباؤ کے تحت انسان کے لیے حق و باطل کی تمیز کرنا بہت مشکل ہو جاتا ہے۔ خاص طور پر جب معاملہ کسی قوم کی دشمنی اور مخالفت کا ہو تو وہاں صرف وہی لوگ اعتدال سے کام لے سکتے ہیں جن کے قلوب پر سوائے اللہ کے خوف کے کسی دوسرے کا خوف طاری نہ ہو۔ یہی وجہ ہے کہ باری تعالیٰ نے مسلمانوں کو دشمن اقوام اور گروہوں کے معاملے میں انصاف سے کام لینے کی تلقین کے ساتھ ساتھ انہیں مالک الملک سے ڈرنے کی بھی ہدایت فرمائی ہے۔ دنیا کا کونسا ایسا قانون ہے جس نے اپنے باغیوں اور معاندوں تک کے حقوق کی یہ رعایت رکھی ہے کہ اشتعال میں بھی دشمنوں اور خون کے پیاسوں تک سے انصاف کیا جائے۔ کافر اقوام کا کفر بھی انہیں عدل و انصاف کے بنیادی حق سے محروم نہیں کر سکتا۔ قومی زندگی میں یہ مرحلہ کوئی آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معاونت اور دستگیری، اس پر غیر متزلزل ایمان اور اس کی ہمہ بینی اور ہمہ دانی کا استحضار ہی اسے آسان بنا سکتا ہے۔ حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی مختلف موقعوں پر حق و انصاف کی راہ پر قائم رہنے کی تاکید فرمائی ہے۔

حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ہم نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدس ہاتھ پر بیعت کرتے ہوئے اس بات کا اقرار کیا کہ ہم عسر و یسر دونوں حالتوں میں آپ کے احکام کو دل و جان سے بجا لائیں گے، اپنے امراء سے، جب تک کہ ان میں کھلا ہوا کفر نہ پائیں جنگ و جدال سے اجتناب کریں گے اور ہر قسم کے حالات میں حق اور انصاف کی بات کہیں گے اور اس راہ میں ملامت کرنے والوں کی ملامت سے مرعوب اور خوفزدہ نہ ہوں گے۔

قرآن مجید میں وَزِنُوا بِالْقِسْطَاسِ الْمُسْتَقِيمِ کا جو حکم صادر فرمایا گیا ہے وہ صرف اشیاء کو تولنے تک ہی محدود نہیں بلکہ یہ اپنے اندر بڑی وسعت رکھتا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ بندۂ مومن کو ہمیشہ ہر حال میں اور زندگی کے ہر معاملے میں خواہ اس کا تعلق کسی شعبۂ حیات سے ہو دیانت، امانت اور صداقت کی پیروی کرنی چاہیے کیونکہ اگر دنیا میں خدا کے بندوں نے بھی میزانِ عدل قائم نہ کی تو پھر اس ذمہ داری کو کون اٹھائے گا۔ انصاف کائنات کی بنیادی حقیقت ہے اور اسی پر اس کا سارا نظام چل رہا ہے اور اگر یہ ختم ہو گیا تو نہ صرف انسان بلکہ حیوانات، نباتات اور جمادات کا وجود بھی ناممکن ہو گا۔ ان کی زندگی اور ان کی بقا اور فلاح کا سارا دارومدار انصاف پر ہے۔ آج دنیا میں جتنی کشمکش برپا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ دنیا کی جس قوم پر حق و انصاف کی عملداری قائم کرنے کی ذمہ داری ڈالی گئی تھی وہ بدقسمتی سے اپنے اس بنیادی فرض سے یکسر غافل ہو کر بیکار کاموں اور فضول مشغلوں میں اپنی قوتیں اور صلاحیتیں کھپا رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کائنات کو حق کے ساتھ پیدا کیا ہے اور حق کی فرمانروائی ہی سے اس کا وجود قائم ہے۔ اُس کی رحمت اس بات کی منتظر ہے کہ کب یہ قوم اپنی ذمہ داریوں کا احساس کر کے اپنے فرض کو سرانجام دیتی ہے۔ وہ انتہائی متحمل اور بردبار ذات ایک مدت تک تو اس امت کی غفلت کیشی کو گوارا کر سکتی ہے لیکن انسانیت کو عدل و انصاف کی فرمانروائی سے مدت دراز تک محروم نہیں رکھ سکتی۔ اُس رحیم و کریم ذات کو بہر حال اپنی مخلوق کو حق اور انصاف کی دولت سے نوازنا ہے اور اگر یہ فرض اس امت نے سرانجام نہ دیا تو وہ اس کی جگہ اس مقدس کام کی بجا آوری کے لیے کسی دوسری قوم کو متعین کر دے گی۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَا لَكُمْ	اے ایمان والو! تمہیں کیا ہو گیا ہے کہ جب
إِذَا قِيلَ لَكُمُ انْفِرُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ	تم سے اللہ کی راہ میں نکلنے کے لیے کہا جاتا ہے
اثَّاقَلْتُمْ إِلَى الْأَرْضِ أَرَضِيتُمْ	تو تم زمین سے چمٹ کر رہ جاتے ہو۔ کیا تم